مرثیہ

مولانا سید صادق حسین عقیلؔ برادر حضرت ماہرؔ ابن زین العلماء سید علی حسین

(۱)

یا رب مجھے نمونۂ عرش بریں دکھا
صحنِ رواقِ نورِ جہاں آفریں دکھا
سجدے کو خم جہاں ہیں فلک وہ زمیں دکھا
آرام گاہِ قبلۂ دنیا و دیں دکھا
بے چین ہوں فراقِ شہ مشرقینؑ میں
پہنچا دے اب کی سال رواقِ حسینؑ میں

(۲)

عرشِ بریں کا فخر ہے جو وہ زمیں یہ ہے
انگشتری اگر ہے جہاں تو نگیں یہ ہے
ہاں سجدہ گاہِ حضرت روح الامیں یہ ہے
کیوں کر نہ ہو رواقِ امامؑ مبیں یہ ہے
یہ مرتبہ ملا نہیں بیت الحرام کو
ساتوں فلک ادب سے جھکے ہیں سلام کو

(۳)

پروردگار! حکم میں کیا تیرے دیر ہے
دل زندگی سے واں کی جدائی میں سیر ہے
مدفوں جہاں پہ شیر الٰہی کا شیر ہے
ہوں دور واں سے یہ مری قسمت کا پھیر ہے
ہے آرزو حیات میں دیکھوں بہشت کو
قسمت میں گر نہ ہو تو بدل سر نوشت کو

(۴)

کرسی کو عرش عرشِ بریں کو ضیا نصیب
عیسیٰؑ کو چرخ، خضر کو آبِ بقا نصیب
بلبل کو گل نصیب، گلوں کو فضا نصیب
رضوان کو باغِ خلد، مجھے کربلا نصیب
بھولوں بہارِ گلشنِ عنبر سرشت کو
دیکھوں کبھی نہ آنکھ اُٹھا کر بہشت کو

(۵)

عاشق کی زندگی ہے جو معشوق پاس ہے
نالاں ہے دیدِ گل سے جو بلبل کو یاس ہے
قمری کا عشقِ سرو میں خاکی لباس ہے
آقا کے ہجر میں دلِ خادم اداس ہے
کیا مال سلطنت ہے جو یہ مدعا ملے
اکسیر ہاتھ آئے جو خاکِ شفا ملے

(۶)

مژدہ سنوں کرم کیا ربِّ غفور نے
خوش ہوں طلب کیا ہے امامِ غیور نے
ذرّے کو آفتاب کیا حق کے نور نے
عیسیٰؑ کا مرتبہ تجھے بخشا حضور نے
پھر فخر مجھ کو رتبۂ روح الامیں پہ ہو
کیا دور ہے دماغ جو عرشِ بریں پہ ہو

(۷)

کہلاؤں جب میں زائرِ سلطانِ کربلا
کیوں کر یہ مرتبہ نہ عنایت کرے خدا
بخشی انھیں کے مہر نے خورشید کو ضیا
موسیٰ کے ہاتھ میں ید بیضا کیا عطا
روشن ہیں رتبے ابنِ جنابِ بتولؑ کے
بیٹے امامِ دیں کے نواسے رسولؐ کے

(۸)

کعبہ کو اپنے نور سے معمور کردیا
دم میں بتوں کو نامِ خدا دور کردیا
ہر شئے کو اپنی مہر سے پرنور کردیا
جس کوہ پر قدم کو رکھا طور کردیا
کیا آبرو بڑھائی زمینِ عراق کی
رفعت عطا کی گنبدِ نیلی رواق کی

(۹)

ادنیٰ کو چاہیں رتبۂ اعلا کریں عطا
زیرِ قدم ہے ان کے سرِ عرشِ کبریا
پایا ہے ان کے نام سے کرسی نے مرتبا
ذرّوں کو زر دیا مہ و خورشید کو ضیا
ہوتی نہ مہر گر خلف بوترابؑ کی
قلعی کھلی تھی آئینۂ آفتاب کی

(۱۰)

کیا مرتبہ جنابِ حسینؑ حَسیں کا ہے
خورشید کیا ہے عکس یہ ان کے نگیں کا ہے
ماہی سے تابہ ماہ عمل شاہِ دیں کا ہے
خالق کے بعد خلق میں ڈنکا انہیں کا ہے
جاری ہے حکم ذرّوں پہ اور ماہتاب پر
سکہ ہے ان کا اشرفیٔ آفتاب پر

(۱۱)

خالق نے ان کو کون سا رتبہ نہیں دیا
سر کس کا آستان پہ ان کے نہیں جھکا
مالک یہ ہیں خدائی کے لیکن نہیں خدا
مردہ وہ دل ہے جس میں کہ ان کی نہیں ولا
سینہ میں جس کے ان کی ولا کا مقام ہے
واللہ اس پہ آتشِ دوزخ حرام ہے

(۱۲)

ممکن نہیں غلام سے آقا کی ہو ثنا
مداح ان کا ہے لبِ قدرت سے کبریا
حیراں ہوں جن کی شان میں آیا ہو ھل اتی
ظالم انہیں پہ ظلم کریں حیف کی ہے جا
تفصیل وار حالِ امامِ ہدا لکھوں
مدنظر ہے معرکۂ کربلا لکھوں

(۱۳)

ہے اس طرح کتابوں میں حالِ شہؑ انام
تھی دوسری کہ واردِ مقتل ہوئے امامؑ
آمادۂ فساد تھے سرہنگِ روم و شام
خیموں کے واسطے نہ دیا نہر پر مقام
پانی پہ میہمانوں سے جنگ و جدل ہوئی
پہلے اسی پہ فوج سے ردّ و بدل ہوئی

(۱۴)

خوف و رجا میں جب ہوئے دو تین دن بسر
ہفتم سے بند ہوگیا پانی حسینؑ پر
ہشتم کے حال لکھنے سے شق ہوتا ہے جگر
گرمی کی پیاس اور وہ معصوم الحذر
راحت کا میہمانوں پہ مسدود باب تھا
اولادِ مصطفیؐ کے لئے قحطِ آب تھا

(۱۵)

حالِ شبِ شہادتِ مولائے انس و جاں
کیونکر زبانِ خامۂ مشکیں سے ہو بیاں
زنگی کے رخ کے خال کا تاروں پہ تھا گماں
مہتاب تھا گہن میں تزلزل میں آسماں
وہ برق کی چمک وہ گرجنا سحاب کا
ہر شے سے تھا نمود نمونہ عذاب کا

(۱۶)

بندوں کو تھا عذابِ الٰہی کا سامنا
غل تھا اذاں کا خوفِ الٰہی میں جا بجا
کہتے تھے سب الٹتا ہے طبقہ زمین کا
وہ رات بولتی تھی کہ تھی صور کی صدا
سب کو گماں تھا روزِ قیامت کا رات پر
دشوار تھی حیات ہر ایک ذی حیات پر

(۱۷)

جنگل سے صاف آتی تھی زہراؑ کی یہ صدا
صحرائے نینوا کے مسافر ترے فدا
گھیرا ہے چار لاکھ نے بے جرم و بے خطا
کٹتا ہے تیغ ظلم سے مظلوم کا گلا
مجبور ہوگئی میں دلِ بے قرار سے
آخر کلیجہ تھام کے نکلی مزار سے

(۱۸)

ماں ہو نثار، اے مرے امّت کے خیر خواہ
کن منتوں سے پالا تھا تم کو حسینؑ آہ
گودی کے بدلے میرے یہ بن تیرہ و سیاہ
بچے مرے! تجھے کہیں ملتی نہیں پناہ
کیا حال تیرا ہوگیا دنیائے زشت میں
آؤ، تمہیں بلاتے ہیں نانا بہشت میں

(۱۹)

زینبؑ سے کہہ رہے ہیں یہ سلطانِ انس و جاں
سنتے ہو تم بھی فاطمہ زہراؑ کی کچھ فغاں
نظروں میں غم سے تیرہ و تاریک ہے جہاں
ٹکڑے جگر کے ہوتے ہیں کرتی ہیں وہ بیاں
سب جنّ و انس روتے ہیں سن سن کے بین کو
کس درد سے وہ روتی ہیں بیکس حسینؑ کو

(۲۰)

زینبؑ یہ عرض کرتی ہیں یا شاہِ خوش صفات
بھیّا! تمامِ عمر نہ دیکھی تھی ایسی رات
خوف و خطر میں منہ سے نکلتی نہیں ہے بات
امّاں بھی رو رہی ہیں یہ کیسی ہے واردات
اس رات کس طرح دلِ مضطر کو کل پڑے
بھیّا! یقیں ہے منہ سے کلیجہ نکل پڑے

(۲۱)

یہ رات کیا قیامتِ کبرا سے کچھ ہے کم
بچوں پہ ہے ستم تو جوانوں کو ہے الم
سونے میں چونک پڑتے ہیں معصوم دم بدم
چلّا رہی ہے بالی سکینہؑ بہ چشم نم
کیسی یہ رات ہے کہ ترستی ہوں چین کو
امّاں بلا دو خیمہ میں بابا حسینؑ کو

(۲۲)

بھیّا حواس باختہ زینبؑ کے ہوتے ہیں
بچے کسی طرح سے نہیں آج سوتے ہیں
چھاتی کو پیٹ پیٹ کے جاں اپنی کھوتے ہیں
اصغرؑ بھی پھوٹ پھوٹ کے جھولے میں روتے ہیں
میں کس زبان سے کہوں جو اس کا حال ہے
اس شب کو وہ کسی سے جو بہلے محال ہے

(۲۳)

بچوں کے اضطراب سے روشن ہیں دل کے داغ
اندھیر ہے، نہ شمع ہے خیموں میں نے چراغ
فرمایا آئے موت تو صدموں سے ہو فراغ
کٹ جائے گا سحر کو بہن! فاطمہؑ کا باغ
اُلٹے گا وقتِ صبح ورق کائنات کا
زینبؑ میں میہمان ہوں کُل ایک رات کا

(۲۴)

سینہ پہ ہاتھ مار کے زینبؑ نے یہ کہا
ارشاد یہ زبانِ مبارک سے کیا ہوا
سر پر مرے حضور کو قائم رکھے خدا
بعد آپ کے بتائیے جینے کا کیا مزا
بھیّا چھری کلیجہ پہ اس وقت چل گئی
یہ کیا کہا کہ جان بدن سے نکل گئی

(۲۵)

یہ کہہ کے لپٹی بھائی کے قدموں سے دوڑ کر
شبیرؑ نے لگا لیا سینہ سے جھک کے سر
فرمایا ٹکڑے ہوتا ہے زینبؑ مرا جگر
دیکھو خدا کے واسطے روؤ نہ اس قدر
سہتے ہیں جبر مرضئ مولا کے واسطے
زیبا ہے صبر دخترِ زہراؑ کے واسطے

(۲۶)

سمجھا کے یہ بہن کو چلے شاہؑ کربلا
زینبؑ نے سر کو کھول کے خالق سے کی دعا
درگاہ سے ترے کوئی خالی نہیں پھرا
میرا بھی اک سوال ہے یا واہب العطا
چھوٹوں نہ زندگی میں شہؑ مشرقین سے
جنت میں پہلے مجھ کو بلا لے حسینؑ سے

(۲۷)

خیمہ میں آئیں صحن سے بنتِ شہ عرب
دیکھا کہ غش ہیں پیاس سے معصوم تشنہ لب
اہل حرم سکوت میں بیٹھے ہیں سب کے سب
بچوں کا حال دیکھ کے دل کو ہوا تعب
فرمایا کیا یہ بعد مرے پھر بھی روئے ہیں
بانوؑ نے عرض کی ابھی مشکل سے سوئے ہیں

(۲۸)

فضّہؑ سے بولی بانوئے ذی جاہ و ذی شرف
آئے نہ پھر کے خیمہ میں اکبرؑ یہ کیا سبب
دیکھیں نہ جب تلک انہیں آتا ہے چین کب
کہہ دے کہ بنتِ شاہِ نجف کرتی ہیں طلب
سمجھائے کون نامِ خدا ہوشیار ہو
خیمہ میں آؤ تا کہ پھوپھی کو قرار ہو

(۲۹)

بولیں جگر کو تھام کے زینبؑ بہ چشم تر
سچ ہے کہ دیر سے مجھے آئے نہیں نظر
باہر ہے یا کہ خیمہ میں وہ غیرت قمر
مجھ میں نہ تھے حواس تو لیتے وہی خبر
پوچھا نہ یہ کہ جیتی ہیں یا کوچ کر گئیں
وہ آج ان کے پیار کی باتیں کدھر گئیں

(۳۰)

خود کہنے کو تھی بانوئے عالی مقام سے
باعث یہی تو ہے کہ میں مضطر تھی شام سے
اچھا تو ہے بلا لے انھیں میرے نام سے
لیکن کہاں امید یہ اس لالہ فام سے
صدمہ مرے فراق کا کیوں دل پہ لائیں گے
اب وہ مرے بلانے سے کاہے کو آئیں گے

(۳۱)

فضّہؑ نے جا کے خیمہ کے در سے جو کی نظر
دیکھا کھڑے ہیں سامنے اکبرؑ جھکائے سر
پردے سے منہ نکال کے بولی وہ نوحہ گر
بی بی مری، تڑپتی ہیں اے غیرتِ قمر
کہتی ہیں شکل آ کے دکھا جائیں نور کی
چلئے بلاتی ہیں پھوپھی امّاں حضور کی

(۳۲)

آیا یہ حکم سنتے ہی حضرت کا گلعذار
اٹھ کر پھوپھی نے رخ کی بلائیں لیں سات بار
فرمایا کیوں ہے سینہ میں دل میرا بے قرار
کیا کر رہے ہیں سبطِ نبیؐ ان کے میں نثار
غم کے ہجوم خسروِ کون و مکاں پہ ہیں
سنتی ہوں میں کہ یاس کے کلمے زباں پہ ہیں

(۳۳)

بیٹا! دعا ہے خالق اکبر انھیں بچائے
جو اُن پہ آنے والی ہو آفت وہ مجھ پہ آئے
کس طرح اس بلا سے یہ بیکس نجات پائے
کیونکر نجف سے شیر الٰہی کو کوئی لائے
کل کا یہ دن ہجوم مصیبت کا روز ہے
بھائی سے سن چکی ہوں قیامت کا روز ہے

(۳۴)

کی عرض ہاں! بجا ہے جو گھبراتے ہیں حضور
آمادۂ فساد اسی دم ہیں پُر غرور
خیموں پہ آ گریں جو ستمگر تو کیا ہے دور
ہیں اہتمام جنگ میں شاہنشہ غیور
کمریں کسے جہاد پہ سب دل ملول ہیں
شبخوں کے اہتمام میں سبطِ رسولؐ ہیں

(۳۵)

فرمایا کتنی رات ہے زینبؑ نثار ہو
کی عرض ہے قریب سحر آشکار ہو
بولیں ابھی تو صبح نہ اے کردگار ہو
طولِ حیات سید عالی وقار ہو
ہے ہے غضب ہے جان میری نکلی جاتی ہے
رونے کی فاطمہؑ کے صدا مجھ کو آتی ہے

(۳۶)

اب جاؤ پاس باپ کے اے میرے نونہال
ہووے تلاش میں نہ کہیں فاطمہؑ کا لال
باندھے کمر ہے ظلم پہ یہ فوج بدخصال
بیٹا پھوپھی نثار ہو اس کا رہے خیال
ہوکر جوان آس نہ پیری میں توڑیو
قربان جاؤں باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

مطلع ثانی (۳۷)

(اتنے میں) جس وقت شرق سے ہوئے پیدا نشانِ صبح
گردوں پہ کھل گیا علمِ زرفشانِ صبح
ہونے لگی بلند صدائے اذانِ صبح
چمکا نکل کے چرخ پہ گیتی ستانِ صبح
بیدار دیکھ کر خلفِ بوتراب کو
عیسیٰؑ لئے ہیں آئینۂ آفتاب کو

(۳۸)

وردی کا غل وہاں تھا صدائے اذاں یہاں
تھا منہ پہ آفتاب لبِ بام کا گماں
مشغول تھے عبادتِ خالق میں سب جواں
ہر دم یہی دعا تھی کہ اے ربِ دو جہاں
پروانۂ جمالِ امامؑ امم رہیں
کٹ جائیں سر پہ شمع سے ثابت قدم رہیں

(۳۹)

ہم بے کسوں کی عرض یہی ہے یہی دعا
پیاسوں کی آبرو ہے ترے ہاتھ اے خدا
ہم سرفراز جب ہوں کہ سرتن سے ہوں جدا
لیکن ہرا بھرا رہے گلزارِ مصطفیؐ
آنکھیں قدم پہ مَل کے شہ ذی وقار کے
ہم نقدِ جاں کو پھینک دیں صدقے اتار کے

(۴۰)

کرتے تھے یہ دعا ابھی خالق سے وہ غیور
چرخ زبرجدی پہ کیا مہر نے ظہور
ہوتے ہی صبح اُڑنے لگے چار سو طیور
ظلمت سے نور کہتا تھا اس وقت دور دور
چہرہ تھا سرخ رنگ یہ تھا آفتاب کا
گویا چھلک رہا تھا کٹورا شراب کا

(۴۱)

وہ صبح کی بہار وہ میدانِ دلکشا
جس کی صفائیوں پہ دلِ با صفا فدا
تھا وقتِ صبح غنچۂ دل ہو رہے تھے وا
تھم تھم کے چل رہی تھی عجب ناز سے ہوا
سب لطف تھے ہوا میں ارم کی شمیم کے
گویا جناں سے آتے تھے جھونکے نسیم کے

(۴۲)

ہوتے ہی صبح فوجِ مخالف بڑھی ادھر
لشکر میں شاہِ دیں کے بھی بندھنے لگی کمر
رخصت کو خیمہ گہہ میں گئے شاہؑ بحر و بر
استادہ سب تھے در پہ جوانانِ نامور
تھا اس طرف جو لشکرِ اظلم فساد پر
باندھے کمر کھڑے تھے مجاہد جہاد پر

(۴۳)

خیمے میں تھے حضور کہ تیر آئے ناگہاں
بس الوداع کہہ کے اٹھے شاہِ انس و جاں
حضرت بڑھے لپٹ گئیں قدموں سے بیبیاں
سب کو تسلی دے کے چلے شاہِ دو جہاں
پردہ اٹھا تو چہرے سے روشن جہاں ہوا
غل تھا کہ آفتابِ امامت عیاں ہوا

(۴۴)

اکبرؑ نے دی صدا کہ جوانو حضور آئے
لاؤ فرس حضورِ کرامت ظہور آئے
استادہ ہو ادب سے امامِ غیور آئے
تسلیم کو امامؑ کے سب ذی شعور آئے
حیدرؑ کا تھا نشان علم کو لئے ہوئے
سر پر امامؑ عصر کے سایہ کئے ہوئے

(۴۵)

ناگہہ بجا سپاہِ ضلالت میں طبل جنگ
فوج امامِ دیں پہ ہوئی بارش خدنگ
لڑنے کی جاں نثاروں کے دل میں ہوئی اُمنگ
بے چین زانوؤں میں ہوئے ابلق و سرنگ
دل میں یہ ولولے تھے کہ تلواریں کھایئے
خوں میں نہا کے گلشنِ جنت بسایئے

(۴۶)

آئے قریبِ سبطِ پیمبرؐ وہ شیرِ نر
کی عرض ہاتھ باندھ کے یا شاہِ بحر و بر
آمادۂ جدال ہے سب فوجِ بد سیر
تیار سب ادھر بھی ہیں باندھے ہوئے کمر
یہ شوق ہے فدا ہوں امامِ غیور کے
صدقے کریں سروں کو قدم پر حضور کے

(۴۷)

اصرار جب رفیقوں نے حد سے کیا سِوا
ناچار ہو کے آپ نے اذن وغا دیا
جا جا کے ایک ایک نے لاکھوں سے کی وغا
دریا لہو کا آبِ دم تیغ سے بہا
چرچا وغا کا روم سے تا شام رہ گیا
ایسے لڑے کہ حشر تلک نام رہ گیا

(۴۸)

تھے وقتِ نزع سجدۂ حق میں وہ سب ولی
جاری دم اخیر لبوں پر تھا یا علیؑ
ایسے چراغ بُجھ گئے کیسی ہوا چلی
سب پر زوال آگیا جب دوپہر ڈھلی
کوئی رہا نہ فوج شہ خوش خصال میں
تنہا حسینؑ رہ گئے دشتِ قتال میں

(۴۹)

سینہ ہو شق لکھے جو قلم بیکسی کا حال
اس دم عجب تھا شہ پہ ہجوم غم و ملال
مرجھا رہے تھے دھوپ میں زہراؑ کے نونہال
غلطاں تھے خاک وخوں میں دُرِ فاطمہؑ کے لعل
تحلیل غم سے شاہ کا جسم نزار تھا
تھی سب سے یاس، موت کا بس انتظار تھا

(۵۰)

سینے میں تشنگی سے جگر ہو گیا تھا شق
ناطاقتی سے جسم تھا سارا عرق عرق
تھے ہاتھ پاؤں سرد تو چہرے کا رنگ فق
پہلو نہ کوئی چین کا تھا، دل کو تھا قلق
نورِ خدا کو سائے کا ملنا محال تھا
واحسرتا کہ دھوپ میں زہراؑ کا لال تھا

(۵۱)

اس روز کے ہوا کی حرارت ہو کیا رقم
آتا ہے جس کے ذکر سے گھٹ گھٹ کے لب پہ دم
شعلے ہوا کے جھونکوں سے اٹھتے تھے دمبدم
حدّت کو اس کی دھوپ کی لکھّے اگر قلم
تاثیر ہو تپش کی عیاں اس کی آن میں
پڑ جائیں لاکھ چھالے قلم کی زبان میں

(۵۲)

وہ دھوپ وہ تمازتِ خورشید الحذر
پردوں میں امن پا کے چھپی جاتی تھی نظر
کیا تاب تھی قدم کو جو رکھّے زمین پر
نخل چنار بن گئے تھے دشت کے شجر
جھوکے ہوائے گرم کے جب شہ پہ چلتے تھے
پتوں سے سب شجر کفِ افسوس ملتے تھے

(۵۳)

خورشید کا جو عکس تھا پانی میں جلوہ گر
ممکن نہ تھا کہ مردمِ آبی اٹھائیں سر
تھے تہہ نشیں اسی سے ابھرتے نہ تھے مگر
روکے ہوئے تھیں مچھلیاں گرداب کی سپر
بھولے ہوئے تھے تہلکہ روزِ نشور کا
ہوتا تھا ہر حباب پہ دھوکا تنور کا

(۵۴)

بے سایہ ایسے دھوپ میں ہے سبطِ مصطفےٰؐ
اہل حرم بھی دیکھ رہے ہیں یہ ماجرا
کہتے تھے سر کو پیٹ کے وہ غم کے مبتلا
حضرت کھڑے ہیں دھوپ میں اور گرم ہے ہوا
سایہ نہیں شجر کا بھی ظلّ الٰہ پر
اے آفتاب! دھوپ ہے زہراؑ کے ماہ پر

(۵۵)

رخصت کو جب حرم میں شہ بحر و بر گئے
سر کو جھکائے خیمہ میں باچشم تر گئے
پاس ابن فاطمہؑ کے حرم نوحہ گر گئے
تھامے دلوں کو ہاتھوں سے خستہ جگر گئے
پایا جو بے قرار شہ تشنہ کام نے
ایک ایک کو گلے سے لگایا امامؑ نے

(۵۶)

زینبؑ کے منہ کو دیکھ کے بولے شہ زمن
مانگو دعا کہ رحم کرکے ربِّ ذوالمنن
تاراج باغیوں نے کیا سب مرا چمن
لوالوداع جاتے ہیں اب ہم بھی اے بہن
دل زیست سے ہٹا ہے کہ صدمے اٹھائے ہیں
ہم رخصت اخیر کو تم سب سے آئے ہیں

(۵۷)

زینبؑ نے سر کو پیٹ کے شہ سے کیا کلام
کس کو بلاؤں ہائے جو بیکس کے آئے کام
بھیّا خدا کے واسطے مرنے کا لو نہ نام
پہلے کہیں بہن کے گلے پر چلے حُسام
جاتے ہیں آپ قبر میں سونے کے واسطے
زندہ رہوں میں خلق میں رونے کے واسطے

(۵۸)

میرا نہیں تو بچوں کا لازم ہے کچھ خیال
غش ہے عطش سے بالی سکینہؑ کا ہے یہ حال
وارث ہے کون اس کا بجز ذاتِ ذوالجلال
بھیّا مجھے تو اس کی یتیمی کا ہے ملال
کس نے کہا کہ رشتۂ الفت کو توڑیئے
کشتی ہماری عینِ تلاطم میں چھوڑیئے

(۵۹)

ٹکڑے کلیجہ ہوتا ہے عابدؑ کے حال پر
شدت سے تپ کے جسم دہکتا ہے سر بسر
اس حال میں حضور کا دنیا سے ہے سفر
اس سانحہ کی کچھ اُسے مطلق نہیں خبر
مرنے نہ جاؤ تشنہ دہانی کا واسطہ
فرزندِ نوجواں کی جوانی کا واسطہ

(۶۰)

فرمایا شاہ دیں نے کرو صبر اختیار
قسمت میں جو لکھا ہے وہی ہوگا آشکار
کیونکر کرے نہ موت گوارا یہ بے دیار
چارہ ہے کیا بشر کا جو مرضئ کردگار
بیتاب شوقِ حق میں دلِ ناصبور ہے
دربار ذوالجلال میں جانا ضرور ہے

(۶۱)

سمجھا کے یہ بہن کو چلے شاہِ بحر و بر
پردہ اٹھایا فضّہ نے ڈیوڑھی کا دوڑ کر
نکلے حرم سرا سے جو سلطانِ نامور
چہرے کی ضو سے ہوگئے پرنور دشت و در
دیکھا جو نور چہرۂ با آب و تاب کا
خجلت سے زرد ہوگیا رنگ آفتاب کا

(۶۲)

اقبال نے یہ بڑھ کے صدا دی جناب آئے
شوکت نے دی ندا خلفِ بوتراب آئے
سطوت کا تھا یہ قول کہ گردوں رکاب آئے
آواز دی ظفر نے کہ جلدی عقاب آئے
رن پر چڑھے گا لال شہ قلعہ گیر کا
بیٹا سوار ہوگا جنابِ امیرؑ کا

(۶۳)

حاضر ہوا قریب جو شبدیز تیزگام
چمکارنے لگے اسے شاہنشہ انام
گردن پہ ذوالجناح کی لکھ کر علیؑ کا نام
رونق فزائے زیں ہوئے با عزّ واحتشام
لی باگ شہ نے جب فرسِ بے نظیر کی
یاد آگئی نشست جنابِ امیرؑ کی

(۶۴)

ہاں جوشِ طبع حسنِ سواری دکھا مجھے
اے باغِ نظم فصل بہاری دکھا مجھے
دریا خدا کے نور کا جاری دکھا مجھے
مشتاق دل ہے قدرتِ باری دکھا مجھے
دیکھوں اگر میں شانِ سواری حضور کی
تارِ نظر ہو موج اسے بحر نور کی

(۶۵)

لکھتا ہے اب جلوسِ سواری کو یوں قلم
جاتے ہیں اس شکوہ سے رن میں شہ امم
ہیں ساتھ ساتھ دبدبۂ وشوکت و حشم
حاضر جلو میں نصرت و اقبال ہیں بہم
پرتو شعاع مہر کا کب ہم رکاب ہے
گھوڑے کی باگ ڈور لئے آفتاب ہے

(۶۶)

آگے نقیب جاتے ہیں دیتے ہوئے صدا
سرکو ہٹو ادب سے ہو استادہ جا بجا
آمادۂ جدال ہیں سلطانِ کربلا
رن پر چڑھا ہے دلبرِ محبوبِ کبریا
شیر خدا کی شان ہے ساری بڑھے چلو
ہے بادشاہِ دیں کی سواری بڑھے چلو

(۶۷)

آمد ہے رن میں دلبرِ شیر الٰہ کی
معدن ہے زلزلہ کا زمیں رزم گاہ کی
ہیبت سے تاب ہے نہ کسی کو نگاہ کی
ہیں پتلیاں پھری ہوئی ساری سپاہ کی
برپا ہے تہلکہ وہ عدو کی سپاہ میں
چھپتا ہے باپ جا کے پسر کی پناہ میں

(۶۸)

غل ہے سپاہِ شام میں آتا ہے وہ جری
شیر خدا کی ختم ہوئی جس پہ صفدری
کیا تاب ہے جو کوئی کرے اس سے ہمسری
کیونکر نہ اس کے ہاتھ میں ہو زورِ حیدری
سمجھو نہ اور، ابن شہ قلعہ گیر ہے
یہ ورثہ دار زورِ جنابِ امیرؑ ہے

(۶۹)

برپا تھا فوج میں یہ تلاطم کہ ناگہاں
آئے قریب فوج کے سلطانِ انس و جاں
گھوڑے کی باگ روک کے بولے شہِ زماں
کہنا ہے کچھ مجھے عمر سعد ہے کہاں
گھر سے بلا کے موردِ رنج و بلا کیا
حیران ہوں عرب کی حمیت کو کیا کیا

(۷۰)

یہ سن کے اپنے خیمہ سے نکلا وہ پُر غرور
عہدوں پہ اپنے گرد ملازم تھے دور دور
آیا قریبِ سبط نبیؐ جب وہ بے شعور
کہنے لگا یہ طعن سے ہنس کر کہ اے حضور
خالق سے ظلم و جور کی فریاد کیجئے
کس واسطے بلایا ہے ارشاد کیجئے

(۷۱)

فرمایا شاہِ دیں نے کہ ظلم شدید ہے
خوفِ خدا نہیں تجھے خوفِ یزید ہے
لازم یہ ظلم مجھ پہ بھلا اے پلید ہے
روحِ رسولؐ روتی ہے اور تجھ کو عید ہے
مہمان پر یہ ظلم کسی نے کیا نہیں
گذرے ہیں تین روز کہ پانی دیا نہیں

(۷۲)

باقی کوئی عزیز نہ یاور رہا کوئی
مہماں بلا کے کرتا ہے ایسی خطا کوئی
کوئی قصور مجھ سے ہوا ہے خطا کوئی!
ظالم سبیل پانی کی اب تو بتا کوئی
گو نہر ہے قریب پہ صورت ہے یاس کی
اب تو کلیجہ جلتا ہے شدت سے پیاس کی

(۷۳)

جانے کی گر رضا تری سرحد سے پاؤں میں
لے لے قسم جو شہر میں پھر تیرے آؤں میں
مرضی اگر نہ ہو تو نہ بستی میں جاؤں میں
کہہ دے تو جا کے اب کوئی جنگل بساؤں میں
صدموں میں اپنی جان کو کھویا کروں گا میں
واں عمر بھر عزیزوں کو رویا کروں گا میں

(۷۴)

سر کو جھکا کے تب یہ شقی نے کیا کلام
میں کچھ نہیں یہ جانتا کیا کہتے ہیں امام
یہ ہے خیال خام کہ جانے دے فوج شام
سر یہ کریں جدا تو ملے ملکِ رے تمام
حاکم کے حکم سے یہ پھریں کیا مجال ہے
تملیک رے کو ہاتھ سے دنیا محال ہے

(۷۵)

سنتے ہی یہ جلال میں آیا خدا کا نور
کی عرض ذوالفقار نے اب کھینچئے حضور
مٹ جائیں دم میں ان کے سروں میں ہے جو غرور
نکلی تڑپ کے تیغ چمک کا ہوا ظہور
بچنا محال ہوگیا اہل خلاف کو
غل پڑ گیا کہ تیغ نے چھوڑا غلاف کو

(۷۶)

سنتا تھا یہ کہ فوج (کے) سب پہلواں ہٹے
چمکی جو ذوالفقار زمیں آسماں ہٹے
دہشت سے اپنی جا سے یہ نامی جواں ہٹے
تھامے ہو موت جن کا قدم وہ کہاں ہٹے
لشکر میں تیغ شاہ کا شہرہ کہاں نہ تھا
ایک ضرب روک لے کوئی ایسا جواں نہ تھا

(۷۷)

تھا شور فوجِ شام پہ نازل ہوا عذاب
چہرے کٹیں گے تیغ سے دفتر ہوا خراب
مہمیز کر کے گھوڑے کو آگے بڑھے جناب
ساتوں فلک نے ڈر کے کہا یا اباتراب
تلوار لے کے غیظ میں حضرت جو مڑ گئے
جبرئیل کانپ کانپ کے سدرہ سے اڑ گئے

(۷۸)

تھم کر جو فوج پر شہ والا نے کی نگاہ
دیکھا کہ میمنہ پہ ہزاروں ہیں رو سیاہ
ہے میسرہ پہ حد سے سوا کثرتِ سپاہ
مجمع وہ قلب میں ہے کہ جاتی نہیں نگاہ
ممکن نہیں زمیں نظر آئے وہ حال ہے
کثرت یہ ہے کہ سانس کا لینا محال ہے

(۷۹)

ہے میمنہ پہ شمر سیہ رو کا انتظام
اور حکمراں ہے میسرہ پر سعد کا غلام
یوں قلب فوج میں ہے بنِ سعد تیرہ فام
جس طرح دل میں ہو حسد و کینہ کا مقام
تیر افگنوں نے کھینچے ہیں چلّے کمان کے
ہر سمت اڑ رہے ہیں پھریرے نشان کے

(۸۰)

اٹھتا تھا شور یہ سپہ بدخصال سے
تلوار سے غرض ہے ہمیں اب نہ ڈھال سے
سمجھو نہ جنگ رستم و بہرام وزال سے
یہ معرکہ ہے فاتح خیبر کے لال سے
ہے دھوم چرخ پر شہ والا کے حرب کی
جبریلؑ کو بھی تاب نہیں ان کی ضرب کی

(۸۱)

بڑھ کر پرے سے تب پسر سعد نے کہا
کیا کر رہے ہو جلد مرتّب کرو پرا
لاکھوں کے آگے بیکس وتنہا کی کیا وغا
وہ کون تھے لڑے ہیں پیمبرؐ سے جو سدا
کیسا یہ معرکہ ہے کہ جی چھوٹے جاتے ہیں
تنہا کا رعب یہ کہ پرے ٹوٹے جاتے ہیں؟

(۸۲)

بولا یہ شمر فوج کے جلدی علم بڑھاؤ
گھوڑے بڑھا بڑھا کے نشانِ ستم بڑھاؤ
فوجِ امیر شام کا جاہ و حشم بڑھاؤ
کیا سوچتے ہو صف سے جوانو قدم بڑھاؤ
وہ کام آج چاہئے جس میں کہ نام ہو
کٹ جائے شہ کا سر کہیں قصہ تمام ہو

(۸۳)

سننا تھا یہ کہ فوج بڑھی اور علم بڑھے
چلّوں میں تیر جوڑ کے اہل ستم بڑھے
بے کس پہ ظلم کرنے کو ظالم بہم بڑھے
تنہا ادھر سے سرورِ عالی ہمم بڑھے
اللہ رے رعب الٹ لیا جب آستین کو
سکتہ فلک کو ہو گیا لرزہ زمین کو

(۸۴)

فرمایا شمر سے کہ ہم آتے ہیں ہوشیار
تو کیا ہے اور کیا یہ تیری فوج کا شمار
دو لاکھ سے بھی رُک نہیں سکنے کا ایک وار
دنیا میں پھر نہ ہوگی کبھی ایسی کار زار
ہے یادگار معرکہ حیدرؓ کے لال کا
بس خاتمہ ہے آج سے جنگ و جدال کا

(۸۵)

دو لاکھ سامنا مرا کرتے یہ کیا مجال
پر کیا کروں کہ بخشش امت کا ہے خیال
بچنا محال ہے اگر آیا مجھے جلال
دیکھا تو ہوگا بچوں سے لشکر کا کیا تھا حال
رن میں اماں نہ فرد کو ملتی نہ زوج کو
کافی تھا ایک طفل مرا ساری فوج کو

(۸۶)

ابن حسنؑ کا سن تھا بھلا کیا تو ہی بتا
تیرہ برس کا بھی نہ ابھی تھا وہ مہ لقا
اس سن میں کس حواس سے لاکھوں سے کی وغا
میداں سے بھاگ بھاگ گئی فوج اشقیا
تھا تہلکہ نبرد میں حملوں سے شیر کے
بھاگی تھیں فوجیں سامنے سے منہ کو پھیر کے

(۸۷)

برچھوں کی ضرب سے تہہ و بالا تھے مورچے
جب وہ بڑھے تو خوف سے پسپا تھے مورچے
جرأت کے ان کی سامنے یہ کیا تھے مورچے
یوں پس گئے کہ مورچے گویا تھے مورچے
جو مرد ہیں وہ دھوئے تھے ہاتھوں کو جان سے
کیا سن تھا پر لڑے ہیں عجب آن بان سے

(۸۸)

جرأت جو دی خدا نے ہمیں، جانتے ہیں سب
اس کثرتِ سپاہ کو ہم مانتے ہیں کب
اس جا سے اب ہٹے گا نہ ابن شہ عرب
میداں سے لاش بھی نہ اٹھے گی، مریں گے جب
ٹل جائیں آسمان و زمین، پر نہ ہم ہٹیں
سر جائے پر نہ کھیت سے پیچھے قدم ہٹیں

(۸۹)

یہ کہہ کے میمنہ پہ جھکے شاہِ نام دار
چمکی صفوں پہ برق کی مانند ذوالفقار
قہر خدا تھا سبط نبیؐ کا ہر ایک وار
کل پھر رہی تھی پھرتا تھا اس طرح راہوار
دو چار وار شاہِ امم کے جو چل گئے
بے زخم کھائے سیکڑوں کے دم نکل گئے

(۹۰)

تھا غیظ میں جو لختِ دل شیر ذوالجلال
دریا لہو کا بہہ گیا رن میں دمِ جدال
بھاگا بچا کے جان کو شمر زبوں خصال
ابتر تمام ہوگئی فوجِ ستر مآل
بھاگے خطا شعار ہر اک منہ کو موڑ کے
پیدل سوار بن گئے گھوڑوں کو چھوڑ کے

(۹۱)

ہتھیار بزدلوں کو ہوئے اپنے تن پہ بار
تیغ و سپر کو پھینک کے بھاگے زبوں شعار
لاحول پڑھ کے روک لی حضرت نے ذوالفقار
فرمایا دیکھی بیکس و تنہا کی کارزار
نکلا نہ اک نبرد کو فوجِ کثیر میں
بیٹے کو باپ چھوڑ گیا دار و گیر میں

(۹۲)

پھر دی صدا یہ میسرہ والوں کو ایک بار
اب کیا تمہارا قصد ہے اے قوم نابکار
دیکھو گے تم بھی سبطِ پیمبرؐ کی کارزار
کیا ہوگئے وہ میمنہ والے کئی ہزار
روکے اگر جہاں تو نہ اپنے قدم رُکیں
قہر خدا کسی سے رکا ہو تو ہم رُکیں

(۹۳)

سنتا تھا یہ کہ صف سے بڑھے واں نشانِ فوج
باجے بجا بجا کے چلے سرکشانِ فوج
برچھی ہلا ہلا کے بڑھے پہلوانِ فوج
تیغیں کھنچیں تو غل ہوا برپا میانِ فوج
پامال کر دو ٹاپوں سے زہراؑ کے پھول کو
گل کر دو جلد شمعِ مزار رسولؐ کو

(۹۴)

کڑکیں کمانیں تیر چلے بے خطا پہ آہ
آیا جلال میں پسر ضیغم اللہ
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے نظر کی سوئے سپاہ
جم کر اڑا صفوں کی طرف ذوالجناح شاہ
حجلہ میں پھر عروسِ وغا کو نہ کل پڑی
کاٹھی سے ذوالفقار بھی باہر نکل پڑی

(۹۵)

چمکی جو ذوالفقار تو گھبرا گئے عدو
جس کو ازل سے حق نے بنایا تھا سرخرو
ریتی پہ ناریوں کا بہانے لگی لہو
ڈھالوں میں منہ چھپانے لگے سب سیاہ رو
قصہ جو دین و کفر میں تھا پاک کردیا
کیا آگ تھی کہ ناریوں کو خاک کردیا

(۹۶)

جب منہ چھپا چھپا کے فراری ہوئے جواں
تلوار رکھ کے دوش پہ بولے شہ زماں
وہ بندوبست شمر کا اس دم گیا کہاں
کیوں فوج سے بلند ہے یہ شورِ الاماں
جوہر تمہارا مجھ پہ ابھی تک کھلا نہ تھا
میں نے تو ایک وار بھی پورا کیا نہ تھا

(۹۷)

کہتے رہے یہ ان سے شہ آسماں جناب
گویا زباں نہ تھی نہ کسی نے دیا جواب
ہونٹوں کو چابنے لگا فرزندِ بوتراب
غصہ سے چہرہ سرخ ہوا مثل آفتاب
مانندِ شیر بس صف ہیجا پہ آ پڑے
گھوڑا اڑا کے قلب میں لشکر کے جا پڑے

من نتائج طبع سلیم و ذہن مستقیم مرکز دائرۂ فوت و درایت معدن اخلاق و عنایت نقّاد جواہر سخن فخر سعدیؔ و جامیؔ مقبول بارگاہ رب المشرقین والمغربین جناب سید صادق حسین صاحب نجل فھامہ جناب فیضمآب قبلہ و کعبہ مولانا سید علی حسین صاحب الملقب و مشتہریین الناس بہ زین العلماء طاب ثراہ۔

المالک الحقیقی ھو اللہ الباقی و فی زمن و جعل الجنۃ مثواہ

عواری بید عبدہ سید احمد رضا صانہ اللہ عن البلا۔

یہ ناتمام مرثیہ نمائش گریز اور اشاعت بیزار شاعر سید صادق حسین عقیلؔ کے کمال فن کا واحد یادگار (اب تک علم ویقین کی حد تک) ہے۔ مرثیہ نگار زین العلماء عضد الدین سید علی حسین (م ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۷ء) کے فرزند ارجمند سید العلماء مولانا سید حسین علیین مکان (۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء۔ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) کے پوتے اور غفران مآب کے پرپوتے ہیں۔ مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مرثیہ کے موجودہ نسخہ کے مالک وراقم مولانا سید احمد رضا (م حدود ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) مولف ذکر الحافظ (شیعہ حافظوں کا مطبوعہ تذکرہ) کی تحریر کے مطابق ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم نہیں۔ دیگر سوانحی حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں کی وصیت کی رو سے ان کے ساتھ ان کے مراثی وغیرہ بھی انہیں کی قبر میں دفن کردیئے گئے۔ دبیریات کے سب سے بڑے مجتہدانہ ماہر سید افضل حسین ثابتؔ لکھنوی مولف 'حیات دبیر'، 'دربار حسین' نے انہیں شاگردان دبیرؔ کی فہرست میں شامل کیا ہے، مگر کچھ آگے چل کر یہ بھی تحریر کردیا ہے کہ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ وہ دونوں بھائی دبیرؔ کے شاگرد نہیں تھے بلکہ بچپن میں مرزا دبیرؔ مرحوم کے مرثیے پڑھتے تھے۔ (دربار حسین)

''تلمذ دبیرؔ ہو یا نہ ہو، مگر شاعر فکر دبیرؔ کا مستفیض و مستفید معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ نسخہ کی ابتداء میں دبیرؔ کے 'غیر تقسیمی' مرثیہ کے مطلع کے بند کو تحریر کیا گیا ہے۔ اس بند کے بیت کے طور پر دبیرؔ کی بڑی مشہور بیت لکھی گئی ہے:

آنکھیں رضاؑ کے روضہ میں دل کاظمین میں
قالب نجف میں روح رواق حسینؑ میں

(یہ مرثیہ اب غیر تقسیمی نہیں رہ گیا ہے بلکہ مطبوعہ ہے۔) پیش نظر مرثیہ عقیلؔ کافی دور تک فکر دبیرؔ کے زیر سایہ بڑھتا ہے۔

پیش نظر نسخہ پتہ نہیں کس طرح 'قبر برد' ہونے سے بچ گیا، پھر بھی پورا نہیں ہے۔ ۹۷ بند ('جنگ تک' شہادت اور بین کے اجزاء موجود نہیں ہیں) کے بعد بند نمبر ۹۸، ۹۹ تو لکھے گئے ہیں لیکن صفحہ سادہ چھوڑ دیا گیا۔ ایسا کیوں ہے؟ قیاس ہی کا موضوع ہے۔

مرثیہ بہر صورت قابل قدر اور لائق افادہ و استفادہ ہے اسی افادیت کے پیش نظر قارئین شعاع عمل کی خدمت میں پیش ہے۔